R. N. 2186/61, Regd. No. A 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No 20

Telegrams: "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۱ شمارہ ۹ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | علی گڑھ یکم مارچ ۱۹۶۲ء

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

پیارے لال رونق دہلوی

پیارے لال رونق کا آبائی وطن دہلی تھا۔ آپ کے والد بزرگوار منشی جے نرائن دہلی کے مشہور کایستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور انھوں نے اپنی زندگی میں دہلی کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں خاص حصہ لیا تھا۔ ذوق شعری جناب رونق کو بچپن سے ہی تھا اس لئے ابتدا میں پانچ سات غزلیں مرزا داغ دہلوی کو دکھائیں اس کے بعد مولانا راسخ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ کا شمار مولانا کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے بلکہ اگر آپ کو مولانا کا جانشین کہا جائے تو بجا ہوگا۔ آغاز شباب سے لے کر پیرانہ سالی تک شعر و شاعری کا مشغلہ رہا۔ دہلی اور نواح دہلی کے سیکڑوں مشاعروں میں شریک ہوئے۔ رسالہ "کمال" دہلی بھی آپ کے زیر ادارت کئی سال تک نکلتا رہا یہ شعر و سخن کا ایک گلدستہ تھا۔ آپ کی غزلیات کا دیوان سنہ ۱۹۱۰ء میں "رونق سخن" کے نام سے شائع ہوا تھا اور ملک کے ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکا ہے مگر اب کم یاب ہے۔ آپ کی وفات کے بعد "کایستھ اردو سبھا دہلی" نے آپ کی مختلف نظموں اور غزلوں کا انتخاب "کلام رونق" کے نام سے شائع کیا۔ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ جناب رونق اپنے حلقۂ احباب میں ہر دل عزیز تھے۔ ان کے ہم عصروں نے ان کی وفات پر نوحے، نظمیں اور قطعات تاریخیں لکھیں۔ جناب شیدا دہلوی مرحوم کی نظم کے دو بند ملاحظہ فرمائیے۔

اے دل ز زخم تیر حوادث فگار شو — اے چشم از تلاطم خوں اشکبار شو

اے سینہ چوں سیاہی شب داغدار شو — اے روح چوں خموشی کنج مزار شو

حسن سخن طراز وہ شیریں دہن نہیں

وہ پیارے لال رونق بزم سخن نہیں

وہ بے مثال آپ ہی اپنی نظیر تھا — چالیس سال سے وہ مرا ہم صفیر تھا

گویا زبان داغ میں رنگ امیر تھا — وہ یادگار رونق روشن ضمیر تھا

ڈوبا ہوا ہوں غم سے وہ رنج و محن ہے آج

میری کمر بھی زلف شکن در شکن ہے آج

برق دہلوی "نگار" اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء میں جناب رونق دہلوی مرحوم پر مضمون لکھتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"مرحوم نہایت منکسر المزاج، متواضع، خلیق اور مرنجاں مرنج آدمی تھے۔ اپنے احباب سے خلوص و محبت سے ملتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دوستوں سے یکساں تعلقات تھے۔ تنگ دلی اور تعصب سے مبرا تھے۔ اس کا صریحی ثبوت یہ ہے کہ آپ کے دیوان میں نعتیہ غزلیں بھی موجود ہیں۔ ان خوبیوں کے علاوہ آپ میں ایک عجیب شاعرانہ آن بان بھی تھی۔ اگر کہیں ذرا بھی ناقدری کمال کا شبہ ہوتا تھا تو وہاں جا کر بھی نہ پھٹکتے تھے۔ خودداری کا جذبہ دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ نوجوانی کے عالم میں کسرت اور کشتی گری کا بھی شوق تھا گویا پہلوان سخن ہونے کے علاوہ تنومند بھی تھے۔ آپ کے بچپن اور شباب کا زمانہ فارغ البالی سے بسر ہوا لیکن پیرانہ سالی میں پے در پے صدمات اور ہجوم افکار نے صحت پر مضر اثر ڈالا مگر پھر بھی شگفتہ طبعی سے بشاش رہتے تھے اور کسی پر پریشان خاطری کا اظہار نہ کرتے تھے۔"

جناب رونق کا شمار دہلی اسکول کے مستند استادوں میں

تھا۔ اُن کی غزل میں داغ اور امیر مینائی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ زبان کی فصاحت، روزمرہ، اسلوبِ بیان کی جدت و دل آویزی کے علاوہ شگفتگیِ زبان اور قادرالکلامی کے لحاظ سے ان کی غزلیں خوب ہیں۔ اواخرِ عمر میں تصوف و عرفان کی طرف آپ کی طبیعت مائل ہوئی۔ برقؔ دہلوی جناب رونقؔ پر "زمانہ" اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اپنا مضمون شروع کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"دلی کے مشاہیر حال میں جناب رونقؔ کا دم بھی غنیمت تھا۔ آپ کے انتقال پر ملال سے سخنوران سراپا کمال میں ایک ایسے شاعر کی جگہ خالی ہو گئی جس کا پُر ہونا محال ہے۔ آپ بڑے کہنہ مشق قادرالکلام اور اعلیٰ پایہ کے سخن سنج تھے۔ استعدادِ علمی بقدرِ ضرورت تھی لیکن شعر خوب کہتے تھے۔ کلام میں فصاحت اور صفائیِ زبان کے علاوہ چستیِ بندش، بلند خیالی تصوف و معرفت، فلسفہ اور اخلاق کا رنگ بھی نمایاں ہے۔"

جناب رونقؔ کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔ اہلِ ذوق و ادب اپنے مذاق کے مطابق لطف اندوز ہوں۔

خرد تھی سیرِ عالمِ غفلت میں ہوش تھا
کھلتے ہی آنکھ جلوہ نہ جلوہ فروش تھا
آئینۂ حیات میں جلوے فنا کے تھے
مدہوشیوں میں عالمِ مستی کا ہوش تھا

تصویر کے پردے میں جب حسنِ مجاز آیا
جو عشق کا مخفی تھا وہ سامنے راز آیا
پیشانیِ عاشق نے جھک جھک کے ترے در پہ
سو بار کئے سجدے جب طرزِ نیاز آیا

کچھ نہیں اور یہاں جلوۂ وحدت کے سوا
کیا نظر آئے نگاہوں کو حقیقت کے سوا
نور آنکھوں میں رہا تیرا تصور دل میں
ہم نے جلوت میں بھی دیکھا تجھے خلوت کے سوا
پی کے کھل جاتے ہیں اسرارِ حقیقت رونقؔ
اور کیا شغل ہو جامِ مئے وحدت کے سوا

وہی حسرت، میری امید، میری آرزو ہو جا
دل ارمانوں کی دنیا ہے تمنا دل کی تو ہو جا
سخن آرائی میری معنیِ رازِ حقیقت ہو
لبِ معجز نما بن جا زباں پہ گفتگو ہو جا

رنگِ تصویرِ جہاں کو ترا نقشا سمجھا
ذرے ذرے کو ہیں اک حسنِ سراپا سمجھا

راز اس محفلِ ہستی کا بس اتنا سمجھا
ہے یہ اک منظرِ حیرت اسے دنیا سمجھا
بے خودِ جلوہ کبھی اور کبھی ہشیار رہا
کبھی معبود کبھی خود کو میں بندا سمجھا
کھل سکا رازِ نہ ہستی میں فنا کا دل پر
فلسفہ زیست کا سمجھا بھی تو میں کیا سمجھا

ہے نظر میں وہی سنگِ کعبہ و بتخانہ ایک
راہِ سجدہ دو ہیں لیکن ہے درِ جانانہ ایک
الشدر اللہ گرمیِ سوز و گداز حسن و عشق
بزم میں دیکھا ہے یکرنگ شمع و پروانہ ایک
کس کو اے رونقؔ سناؤں داستانِ دردِ عشق
لاکھ افسانوں سے بڑھ کر ہے مرا افسانہ ایک

جہاں تو ہے حقیقت میں وہاں تک نہ پہنچا طائرِ وہم و گماں تک
تپِ غم کی ہے یہ آتش فشانی دہن میں ہو گئی شعلہ زباں تک

تصویرِ حسن پھرتی ہے چشمِ خیال میں
جلوہ کسی کا آج اسیرِ نظر ہوا
جب تک رہی خودی نہ ملا خود کا کچھ پتہ
اس کی خبر ملی مجھے جب بے خبر ہوا

نگاہِ شوق سے کس دن تمھیں حجاب نہ تھا
حیا کے پردے میں روپوش کب شباب نہ تھا
جھپک گئی جو پلک اپنی وقتِ نظارہ
جمالِ یار تھا آنکھوں میں میری خواب تھا
اُٹھا کے پردۂ پندار دل سے جب دیکھا
تو حسن و عشق میں رونقؔ کوئی حجاب نہ تھا

ذرے ہے رہِ عدم میں نہ جھجکوں چلا ہوا
منزل کڑی سفر ہے بڑا دن ڈھلا ہوا
کیوں اشک گر کے خاک پہ برباد ہو گیا
سانچے میں آنکھ کے تھا یہ موتی ڈھلا ہوا

پرتوِ عارض سے گل جانِ عنادل ہو گیا
تو نے چٹکی میں لیا جس غنچے کو دل ہو گیا

ذرے ذرے میں عیاں ہے جلوہ تری یکتائی کا
نور پھیلا ہوا ہر سمت ہے رعنائی کا

آل احمد سرور

نثر کا اسٹائل کیا ہے؟

ادب میں جو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں وہ سائنس کی اصطلاحوں کی طرح قطعی نہیں ہیں۔ ادبی اصطلاحیں دراصل اشارے ہیں۔ یہ سمت یا میدان کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اس لئے ادب میں کسی چیز کی مکمل تعریف نہیں ہوسکتی۔ ہاں ایسی تعریف ہوسکتی ہے جو بڑی حد تک صادق آتی ہو یا بیشتر حالتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہو۔ اسٹائل یا اسلوب کی جامع ومانع تعریف اسی وجہ سے خاصی مشکل ہے لیکن یہ کوشش پھر بھی ضروری ہے تاکہ اب تک جو تعریفیں کی گئی ہیں ان کی خوبی یا خامی ہی واضح ہو جائے۔

کچھ عرصے پہلے تک اسٹائل یا اسلوب کو ایک زیور سمجھا جاتا تھا، مگر زیورات کی کثرت دولت کی پہچان ہو تو ہو، ذوق کا پیمانہ ہرگز نہیں۔ پھر آرائش و زیبائش کے اس تصور کے مطابق اسٹائل ایک خارجی اور سطحی خصوصیت بن جاتا ہے، جو وہ یقیناً نہیں ہے اس لئے ہم تمام صنعتوں کے شعوری استعمال کو خواہ وہ کیسی ہی دل پذیر کیوں نہ ہوں، اسٹائل کی بحث میں نظر انداز کرسکتے ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں لازمی طور پر اور گہرائی میں جانا پڑے گا اور زبان کے استعمال کے بڑے بڑے پہلوؤں کا جائزہ لینا پڑے گا۔

زبان کی تین قسمیں کی گئی ہیں: پہلی بول چال کی زبان جس کا سیدھا سادہ کاروباری یا افادی مقصد ہے، دوسری سائنس یا علوم کی زبان جس کا مقصد معلومات کا بہم پہنچانا ہے اور تیسری ادبی زبان جس کا مقصد لطف و مسرت کے ذریعہ سے متاثر کرنا ہے پہلی دو قسموں میں اسٹائل کا سوال زیادہ اہم نہیں، کیونکہ یہاں اسٹائل صرف بیان کے طریقے کا نام ہے۔ ادبی زبان میں بھی اسٹائل پیرائے یا بیان کے معنی میں عام ہے مثلاً میر کا اسٹائل غالب کے اسٹائل سے مختلف ہے یا میرامن کا اسٹائل رجب علی بیگ سرور کے اسٹائل سے بہتر ہے۔ مگر ادبی زبان میں پیرائے یا اظہار کا ادبی ہونا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں بیان کافی نہیں ہے حسن بیان ضروری ہے حسن بیان سے احتمال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ مضمون یا خیال یا مواد سے علیحدہ کوئی چیز ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دونوں میں ایک بنیادی تعلق ہے، مگر سہولت کے لئے مواد کو جیسے ہے خیال کو انداز سے اور مضمون کو بیان سے الگ کرکے دیکھا جا سکتا ہے حسن بیان کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے تو اس میں اسٹائل کا دوسرا مفہوم بھی طرح آجائے گا، مگر اس کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے جس پر ڈمِش مری نے زور دیا ہے اسے ہم انفرادیت حسن کہہ سکتے ہیں۔ عام طور پر جب البیلا پن، بانکپن اور ندرت جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو اس سے یہی تیسرا پہلو مراد ہوتا ہے۔ دراصل دوسرے اور تیسرے پہلوؤں سے ہی ہمیں سروکار ہے۔ مگر ان کی خاطر پہلے پہلو پر بھی اسی طرح غور کرنا پڑے گا جس طرح کہا جاتا ہے: حضرت موسیٰ کو لمبی مدت تک حضرت شعیب کی بکریاں چرانا پڑی تھیں۔

بیان کا مسئلہ زبان کا مسئلہ ہے۔ حسن بیان اور اس کے بعد انفرادیت کا مسئلہ ادب کا مسئلہ ہے۔ ادب کے مطالعے میں بھی سب سے پہلے زبان کے حدود متعین کرنا ہیں۔ نثر کی زبان اور نظم کی زبان میں فرق ہے، حالانکہ دونوں ادب کی شاخیں ہیں یعنی دونوں میں حسن بیان کی نوعیت مختلف ہے نظم کی زبان تخلیقی ہوتی ہے، نثر کی تعمیری۔ نظم اس چاندنی کی طرح ہے جس میں سائے اور گہرے اور لطیف معلوم ہوتے ہیں، نثر اس دھوپ کی طرح ہے جو ہر چیز کو آئینہ کردیتی ہے۔ نظم وہ کنجی ہے جو ذہنی تصویروں کا طلسم کدہ وا کرتی ہے۔ نثر وہ تلوار ہے جو حق و باطل کا فیصلہ کرتی ہے نظم میں ہر لفظ، بقول غالب گنجینۂ معنی کا طلسم ہے، نثر میں وہ اینٹ جو کسی دوسری اینٹ کے ساتھ مل کر تاج محل بنتی ہے، نظم زبان کی توسیع اور نثر اس کی حفاظت کا نام ہے۔ نظم صنم خانہ ہے اور نثر آئینہ خانہ۔

یعنی اسٹائل کے سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا وہ موزوں ہے یا نہیں؟ مثلاً: گو بیان کی شاعری (Poetry of Statement) کی اصطلاح بعض نقادوں نے استعمال کی ہے، مگر دراصل بیان نثر کے لئے ہے۔ اسی طرح گو شعر منثور بھی گیت کائے گئے ہیں، مگر دراصل نثر اور شعر کے تقاضے جدا جدا ہیں۔ یہ گول خانے میں چوکھونٹی میخ والی بات ہے۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ جس طرح سیاست میں دایاں بازو اور بایاں بازو ہوتا ہے اور اس دائیں بازو میں کچھ لوگ نسبتاً بائیں طرف اور بائیں بازو میں کچھ لوگ نسبتاً دائیں طرف ہوتے ہیں۔ اسی طرح نثر میں بھی بعض اصناف شاعری سے قریب اور نظم میں بعض اصناف نثر کے تعمیری حسن کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر سیاست کی آمریت میں یہ صورت حال گوارا ہے تو ادب کی جمہوریت میں کیوں نہ ہو۔

یعنی نثر کے اسلوب میں بنیادی شرط تعمیری اظہار ہے، جس طرح نظم کے اسلوب میں بنیادی شرط تخلیقی اظہار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حسن بیان کا تصور نثر اور نظم میں ایک ہی ہوتا ہے یا مختلف؟ یہاں وحدت و کثرت کے تصور کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ دونوں میں زبان کا ادبی استعمال یعنی اس کا تاثراتی استعمال، اس کا مسرت خیز اور انبساط انگیز استعمال مشترک ہے، مگر اس تاثراتی استعمال، اس مسرت خیزی اور انبساط انگیزی کی نوعیت مختلف ہے۔ صباحت اور ملاحت دونوں میں حسن مشترک ہے، مگر دونوں کی خصوصیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ چاندنی اور دھوپ میں روشنی مشترک ہے، مگر روشنی کی خاصیت جداگانہ ہے جس طرح دھوپ میں وہ شدت کا سوز ہے کی تو ہین ہے، اسی طرح چاندنی میں وہ تیزی اور تمازت جو سورج کی کرنوں کا خاصہ ہے نہ ہونے کی بات ہے۔ (باقی)

دلی میں یوم غالب

انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ دلی کے زیر اہتمام ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء کو یوم غالب منایا گیا۔ اس موقع پر دلی کے ادیبوں اور شاعروں نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر تاراچند نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

ایم۔اے۔حفیظ

آفتاب صاحب حسینی

سرزمین دکن خصوصاً سلطنت حیدرآباد ابتداء سے اہل علم کی قدرداں رہی ہے۔ تاریخ کے کتنے ہی گوشے اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ بھارت کے شاعر، ادیب اور اہل علم و قلم ہمیشہ اس رُخ پر امتیازی حیثیت سے گامزن رہے ہیں۔ چنانچہ چندولال شاداںؔ جیسا پیشکار ریاست بھی اہل علم وفضل کے حلقوں میں گھرا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں نواب فخرالدین خاں تیغ جنگ شمس الامرا ثانی امیرِ کبیر بھی موجود تھے۔ مہاراجہ بہادر کو شعروسخن سے خاص لگاؤ تھا تو شمس الامراء کو مغربی علوم وفنون کے ترجموں سے دلچسپی تھی جس کی وجہ سے سلطنت آصفیہ میں ایک خاص علمی وادبی ماحول پیدا ہو گیا تھا اور مختلف النوع اہل علم و کمال دربار کی فضا کو گرما رہے تھے۔ گویا علم وعمل کی ایک منور روشنی تھی جو منارۂ نور کی مانند اس سلطنت کو روشن و درخشاں کر رہی تھی۔ اس علمی سرپرستی کی وجہ سے شعراء اور مصنفین کی ہمت افزائی ہو رہی تھی اور انھیں اپنی محنت کا معقول معاوضہ بھی مل رہا تھا۔ نیز میر شمس الدین فیض جیسا "شہنشاہ سخن" اسی دربار سے منصب وجاگیر پا رہا تھا۔ اور اس کا شمار امرائے آصفی میں کیا جاتا تھا۔ اِن ہی وجوہات کی بنا پر تاریخ اردو ادب میں مہاراجہ چندو لال شاداںؔ کا نام شعروسخن کی ترقی کے لئے اور شمس الامراء کا نام نثر کی نشوونما میں ایک سنہرے باب کا مالک ہے۔ اِن ہی امراء کی قدردانی اور فیض بخشی کا نتیجہ تھا کہ دہلی و شمالی ہند کے اکثر و بیشتر اہل کمال و اہل علم ترک وطن کرکے حیدرآباد کو اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا۔

شاعر فیضؔ کی شہرت عام تھی۔ دکن کے چپہ چپہ میں اس کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے بعض خاموش مگر بڑے شاعر بھی گذرے ہیں جو کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی صلاحیتوں کو عام کرتے تھے۔ ایسے ہی گوشہ نشین وخاموش شاعروں میں صاحب حسینی قادری گذرے ہیں جن کا وطن ٹیکمال ضلع میدک (آندھرا پردیش) تھا۔ صاحب حسینی نے اپنی شاعری میں "آداب" تخلص کیا ہے۔ ان کی فارسی شاعری بلندپایہ ہے اسی لئے فیضؔ کے شاگردوں میں آدابؔ کا شمار بھی خاص تھا اور فیضؔ کے دربار تک کافی رسائی تھی۔ اس کا ثبوت ذیل کے اس واقعہ سے ملتا ہے:

ایک دفعہ سرسالارجنگ اول مرحوم صدرالمہام دولت آصفیہ کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ لکھ کر اصلاح کی غرض سے فیضؔ کی خدمت میں پیش کیا جس کا مطلع تھا [اے عرق برجبیں زحیائے کرم عیاں] تو فیضؔ نے اس مصرعہ کو سن کر کہا کہ لفظ "عرق" یہاں بہ سکون راء ہو گیا ہے حالانکہ بہ تحریک ہونا چاہئے۔ پس اگر یوں کردیا جائے تو ٹھیک رہے گا [اے خوئے برجبیں زحیائے کرم عیاں] اس مصرعہ پر اہل مجلس میں خوب مباحثہ ہوا اور بالاتفاق آراء ذیل کا مصرعہ طے پایا۔

اے برجبین عرق زحیائے کرم عیاں

اس واقعہ سے آداب کی شاعری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ گو تذکروں میں فیضؔ کے شاگردوں کی فہرست میں آداب کا ذکر نہیں ملتا لیکن یہ اور اسی قسم کے واقعات سے آداب کا مقام فیضؔ کے شاگردوں میں پیدا کیا جا سکتا ہے۔

آداب کو راست اپنے پیر و مرشد سید شاہ شاہد محمد معروف قادری الچشتی سے تلمذ تھا جس کے نام سے "گروہ شاہدی" منسوب ہے۔ اس گروہ میں ایک خاص قسم کی شاعرانہ فضا تھی اور ایک وسیع حلقہ ارادت تھا جو تبلیغ و تدریس کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ اس کا مرکز مدرسہ "حسینیہ" تھا۔ اس میں تصوف وطریقت، وعظ ونصیحت اور حق و باطل کی تعلیم کے علاوہ اُردو و فارسی انشاء و املا کی تعلیم ہوا کرتی تھی جس سے سینکڑوں طالب علم فیض پاتے تھے۔ ان میں سے بعض نامور و باکمال بھی گذرے ہیں جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ نواب سالارجنگ اعظم مرحوم کے زمانے میں جب ریاست حیدرآباد کی ضلع بندی کا کام شروع ہوا اور نواب موصوف کو ذی علم و لائق لوگوں کی تلاش و انتخاب میں سرگرمی دکھانی پڑی تو مدرسہ "حُسینیہ" کی ایک بڑی جماعت ملک سرکار عالی کے ہر شعبہ و سررشتہ میں معمور ہوتی ہوئی نظر آئی۔ اور نواب مرحوم کو بڑی حیرت ہوئی کہ ایک معمولی مقام سے ایسے لائق اور کارآمد لوگ فراہم ہوئے جو ملک و قوم کے لئے خاموش سرگرمی کا نتیجہ اور فال نیک ثابت ہوئے۔ اس مدرسہ کے بانی صاحب حسینی آداب کے نام سرسالارجنگ مرحوم نے ذیل کے الفاظ میں سند شکریہ بھجوایا تھا:

دریں قحط الرجال ایں قدر مردم باکمال از یک قصبۂ ٹیکمال بہم رسیدن خوشنودی کمال است ...... وجود فیض آمود جناب باعث افتخار ملک و ممنونی سرکار ماست۔

مندرجہ بالا تحریر واقعی سلطنت اور اہل میدک کے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔ کیونکہ ایک گوشہ نشین فرد اپنی معلومات سے گروہ بہ گروہ قابل افراد کو تیار کرے اور حکومت وقت اس کی داد دے تو یہ ذاتی سعی کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

صاحب حسینی نے "فرہنگ حسینی" کے نام سے ایک مختصر و مفید ایسا لغت بھی تیار کیا تھا جو درس و تدریس میں مددگار ثابت ہو سکے۔ مہاراجہ کشن پرشاد پیشکار و وزیر افواج سلطنت نظام نے اس پر ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا تھا جس کے تین شعر یہ ہیں:

سبک رو موجۂ بحر لغت ہے — دئے ہیں موتیوں کے رول انبار
خزینہ گر کہیں اس کو ہے زیبا — بھرا کوزے میں ہے دریائے ذخار
ہوئی ہے شاد فکر سال ہجری — کہا دل نے لکھو فیض گہربار

سید صاحب حسینی قادری آداب کی تاریخ وفات "ظہور حق" ۱۲۹۰ "وحکیم" اور تاریخ رحلت "یاغفور" ۱۲۹۰ھ سے برآمد ہوتی ہے۔

یہ تینوں تاریخی الفاظ ذیل کے اشعار سے لئے گئے ہیں اور یہ اشعار "حیات تسلیم" سے ماخوذ ہیں جو شاہ غلام جیلانی بادشاہ المتخلص بہ تسلیم اپنے ماموں و پیر و مرشد صاحب حسینی قادری کے

(باقی صفحہ ۶ پر)

استوار اکبرآبادی

مدھر ملن

چھنن چھنن
چلی دُلہن
آج ہے مدھر ملن
رات گنگنا رہی - خوشی کے گیت گا رہی۔
رُباب بجا رہی - رقص کر رہا گگن۔
چھنن چھنن۔
چلی دُلہن - آج ہے مدھر ملن۔
غنچے مسکرا رہے - پھول لہلہا رہے
گیت گا رہا ہے - جھوم رہا ہے سب چمن
چھنن چھنن
چلی دُلہن - آج ہے مدھر ملن۔
جدھر جدھر نظر گئی - چاندنی بکھر گئی
روش روش سنور گئی - مست ہو گیا پون
چھنن چھنن
چلی دُلہن - آج ہے مدھر ملن
دھڑک رہا ہے آج من - سمٹ رہا ہے آج تن
جانے کیسے ہو ملن - لو وہ آ گئے سجن
چھنن چھنن
چلی دُلہن - آج ہے مدھر ملن

لیہ کوتھیاوی راہی

شب بخیر

طائر شکستہ پر
شاخ خشک پر تنہا
شام ہی سے بیٹھا ہے
یہ مرا صنوبر جو
کل تلک لچکتا تھا
اپنے سبز پتوں پر
فخر و ناز کرتا تھا
آج کتنا سوکھا ہے ——— !

طائر شکستہ پر
سوچ میں جو ڈوبا ہے
کچھ تو اس کو اپنا غم
اور کچھ صنوبر کا
ہر گھڑی رُلاتا ہے ———!

پاس ہی یہ راہی بھی
خشک کے ایک ٹیلے پر
شام ہی سے بیٹھا ہے ——— !
"دیکھیئے سحر تک کون
غم کی اِس اُداسی میں
خیریت سے رہتا ہے ———!؟"

غزل

محمد منشاء الرحمن خاں منشاء

غم کے بدلے اگر سکون ہوتا — حالِ دل اور بھی زبون ہوتا
زندگی خود بخود نکھر جاتی — دل جو غرقابِ موجِ خون ہوتا
مشکلیں مشکلیں کہاں رہتیں — تیز اگر جذبِ اندرون ہوتا
منشاء ہوتی جو اور بوئے خلوص — شعر کچھ اور پُر فسوں ہوتا

وحید مرزا

اب سرِ شام کوئی دیپ جلے یا نہ جلے — ہو کے پروانے تری بزم سے بیگانہ چلے
کچھ خبر بھی ہے تا قافلہ فصلِ بہار — کتنے ہی پھول ہیں جو سائے میں کانٹوں کے پلے
جذبہ و جوشش میں ٹکرائے ہیں ساحل سے — میں نے دیکھا ہے کہ طوفان بلا خیز ٹلے
آج اس طرح سے ہجران کا خیال آیا ہے — جیسے سائے ہوں چراغِ تہِ داماں کے تلے

ابراہیم شفیق

چل رہی ہے تشنگی لب بہ حیات پر ابھی — نظامِ میکدہ دستِ عظمت ہو گئی
چراغ فکر و فن کے ابھی نہ جل اُٹھے — کسی کے حسن کی کرن جو میرے دل کو چھو گئی

آفتاب شمسی

اے جشنِ بہاراں تیرے لئے ہم نکھرا نکھرا سجتے رہے!
اب یاد کر ایسا لگتا ہے جیسے ہم کچھ کر پا نہ سکے
سوکھی شاخیں، سلی کلیاں ہر گام پہ لاشیں پھولوں کی
یہ مالی کیسے مالی ہیں جو اُجڑا چمن مہکا نہ سکے
پروانوں کی اپنی خودداری تو ہر فن کے ماہر ہیں
لیکن حالات کی گتھی کو لیکن یہ کبھی سلجھا نہ سکے

حسرت رسالپوری

وہ مدد اُن سے ملاقات کہاں تک پہنچے — پُرسکوں صورتِ حالات کہاں تک پہنچے
شعلۂ عشق سے اب زیست نکھر جاتی ہے — تشنگی تن میں یہ بات کہاں تک پہنچے
میں نے میخانے کا دستور بدل ڈالا ہے — تہمتِ رندِ خرابات کہاں تک پہنچے

یاد صاحب

کیسا زیبا ہے آج کی یہ آئی بات — حال دل کچھ بھی ہو سکا کبھی کوئی بات
مشتاق و ذوق چمن میں ہوا مگر — دل اب بھی تھی وہاں زبان پہ آئی
اپنا بھی کچھ محبت میں بس چلی — جو لوٹ وہاں تھا سب کی جان کی بات

مراسلات

رومن رسم الخط

یکم فروری ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں محمد احسن اللہ صاحب بی۔ اے کا مختصر مضمون "اردو طباعت کے لئے رومن رسم خط" زیب سرورق ہے۔ اردو رسم الخط کی اصلاح کے بارے میں متعدد تجاویز نظر سے گذریں لیکن کوئی ان بلندیوں کو نہ چھو سکا جو حضرت احسن کا حصہ ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوگی کہ موصوف نے بقول خود "پانچ چھ سال رسم خط کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر کام کیا ہے" رومن رسم خط میں ایسی لچک ہے کہ اسے چاہے جس زبان کے لئے اختیار کر لیجئے چند ترمیموں کے بعد اس زبان کے الفاظ کو کمال صحت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ چنانچہ بین الاقوامی صوتیاتی رسم خط رومن رسم خط ہی پر مبنی ہے۔ احسن اللہ صاحب رومن رسم خط کا ٹائپ پسند کرتے ہیں لیکن اس کی روش سے بیزار ہیں اس لئے مشورہ دیتے ہیں کہ اردو حروف کی رومن میں منتقلی انگریزی حروف کی آوازوں سے بے تعلق اور آزاد ہے، ہر ملک کی ایک خفیہ کوڈ (Code) ہوتی ہے جس میں ہر آواز کے لئے کوئی غیر متعلق آواز معین کر لی جاتی ہے جناب احسن بھی رومن اردو رسم الخط کو ایسی ہی پر اسرار کوڈ بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ چند مشورے ملاحظہ ہوں

۱۔ چند اردو آوازوں کے رومن ترجمے۔

W	Q	U	Y	X	Δ	A	Z	e	:
ش	ص	ض	ط	ظ	ق	ے	ت	ذ	

یہ نمونہ مشتے از خروارے ہے۔ اب کون کافر ہے جو ان ترجموں کی برجستگی پر ایمان نہ لائے۔

۲۔ رومن رسم خط کے ساتھ اردو اعراب باقی رہیں گے لیکن اپنی ہیئت بدل کر مثلاً

زبر ۱۔ جزم ٥ ۔ ہمزہ ۲ ۔ تشدید ۸

۳۔ اے ( ) اور او ( ) کی آوازوں کے لئے کوئی کوئی اعراب مقرر نہ کئے جائیں، ایسا کیوں؟ اے اور او سے اس قدر خفگی کس لئے؟

۴۔ یائے مجہول اور واؤ مجہول کے لئے زبر کا استعمال کس قدر موزوں تجویز ہے یعنی شیر (بمعنی ضیغم) اور چور بمعنی دزد زبر سے لکھے جائیں گے۔ لیکن جہاں تک میرے جل کا تعلق ہے میرے علم میں دفعہ ۳ والے اور بالترتیب یائے مجہول اور واؤ مجہول ہی ہیں جن کے لئے دفعہ ۳ میں کہا گیا ہے کہ کوئی علامت نہ تجویز کی جائے۔

۵۔ واؤ لین اور یائے لین کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اب مجوزہ رسم خط میں چند جواہر پارے ملاحظہ ہوں۔

تاشی [۲۱۷] ۔ قید [ΔAC] ۔ آغوش [آ O ٧ آ]

مزدہ [M٥OCO] ۔ ضیق [UAA] ۔ تو تلا [Z V N C]

ذخیرہ [O R ① فہ] کیا اسے رومن رسم خط کہا جا سکتا ہے؟

(گیان چند)

کان پکڑی لونڈی

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ فروری ۶۲ء میں جناب خاور صاحب جبل پوری نے "کان پکڑی لونڈی" کے عنوان کے تحت مجھے مخاطب فرمانے جانے کی عزت بخشی ہے اس سلسلے میں صرف اتنی گزارش ہے کہ جناب خاور صاحب اردو ادب کے مذکورہ نمبر کے صفحہ ۱۰ کی آخری سطر سے صفحہ ۲۰ کی تیسری سطر تک دوبارہ ملاحظہ کر لیں۔ امید ہے کہ اس کے بعد وہ مجھے اس غلطی کا ذمہ دار نہ سمجھیں گے۔

اس موقع پر یہ اظہار بے محل نہ ہوگا کہ ہماری طرف یہ محاورہ "کان پکڑی لونڈی یا باندی" کے بجائے "کان پکڑی تیلی" اور "کان پکڑی میں میں" ہے۔ آپ نے جس اردو لغت کا نام تحریر نہیں فرمایا اس میں ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

(میکش اکبرآبادی)

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

اس شعر پر جے پور کے عطا اللہ صاحب کا استفسار (ہماری زبان، مرجون ۱۹۶۱ء) اور بعد میں معراج دھولپوری صاحب کی تحقیق (ہماری زبان، یکم فروری ۱۹۶۲ء) نظر سے گزری۔

عرصہ ہوا میں نے کسی مغنی سے ایک غزل سنی تھی جس کے چار شعر اب بھی میرے حافظے میں ہیں۔ اس غزل میں اور معراج دھولپوری صاحب کی پیش کردہ غزل میں سوائے مستفسرہ شعر کے کوئی اور شعر مشترک نہیں۔ غزل قارئین "ہماری زبان" کی دلچسپی کے لئے درج ہے:

بزم ہستی تباہ کر ڈالی
میری دنیا خراب کر ڈالی

ہم نے جس شاخ پر کیا مسکن
باغباں نے وہی کتر ڈالی

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

وہ نہیں اپنے ہاتھ آنے کے
تم نے غالب کہاں نظر ڈالی

پتہ نہیں یہ کس غالب کی غزل ہے۔ کیونکہ اسد اللہ خاں غالب کے مروجہ دیوان اور نسخہ حمیدیہ میں یہ غزل نہیں ملتی۔

(سلیمان ظفر)

یہ شعر کس کا ہے؟

کیا قارئین "ہماری زبان" میں سے کوئی صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارہ کریں گے کہ یہ شعر کس کا ہے۔ شکر گذار ہوں گی ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کے گل و گلزار ہوتا ہے

(ناصرہ محمود)

سہ لسانی فارمولا

مکرمی بعد سلام مسنون ۸ فروری کے ہماری زبان میں الہ آباد کا مراسلہ سہ لسانی فارمولا چھپا ہے اس پر اداریہ میں بھی نوٹ ہے۔ سنسکرت کو کلاسیکل اور اردو بنگالی وغیرہ کو جدید ہندوستانی زبان مان کر بات چیت لسانی مسئلہ پر ۱۹۵۰ء سے پہلے ہو سکتی تھی دستور کی شیڈول ۸ میں ۱۴ زبانوں میں کلاسیکل و جدید کی تفریق کے بغیر سنسکرت و اردو سب کو ہندوستانی زبان کہا گیا ہے اور جبکہ دستور کی دفعہ ۳۵۱ میں ہندی کو مالا مال بنانے کے لئے 'اولیت' سنسکرت کو دی گئی ہے اور اس پر عمل دستور کا نفاذ بلکہ اس کے قبل ہی سے جاری ہو چکا ہے کہ سنسکرت کی تعلیم کو وسعت دی تو بظاہر سنسکرت کو کلاسیکل ماننے کے لئے عملی و دستوری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اردو کے علاوہ ہر ہندوستانی زبان و سنسکرت کو ام الالسنہ قرار دے کر تقرب حاصل کرنا پسند اور اس کے لئے سہ لسانی فارمولا قابل عمل ہوگا۔ اردو والے کے وہی مشکل پیش آئے گی جس کا ذکر الہ آباد والے مراسلہ میں کیا اس لئے ہندی کے علاقے اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ میں محبان اردو کو اس بارے میں غور کر کے کوئی لائحہ عمل بنانا

(محمد عاقل الہ آبادی)

انجمن ترقی اردو مبارک پور (مونگیر)

سمری بختیار پور۔ ۱۱ فروری ۱۹۶۲ء کو انجمن ترقی اردو کی ...قائی شاخ کا پہلا جلسہ بہ مقام مبارک پور ہوا جس میں انجمن ...ے عہدیداران اور مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

عہدیداران

صدر جناب عبدالاحد صاحب محروی۔ نائبین صدر غلام ...رف الدین صاحب، ڈاکٹر ضیا الدین صاحب دانش، مسعود الحسن ...احب بختیار پور۔ جنرل سکریٹری منظور الحسن ندوی اسسٹنٹ سکریٹری۔ حامد حسین صاحب وحشی

مجلس عام

...اسٹر شرف الدین صاحب گیلانی۔ ماسٹر اختر حسین، محمد ...طاق الدین صاحب، ماسٹر شیو شنکر صاحب، غلام محمد مصطفیٰ صاحب ...یارام بھگت صاحب، نور العابدین صاحب، نور دنو دکما صاحب ...راج الحق صاحب، مولوی عبداللہ صاحب، نسیم الدین صاحب ...ست نراین پرشاد صاحب۔

ارکان اعزازی

مولانا سید ابو القاسم صاحب، مولوی عبد الوحید صاحب ...حانی، ابو قیام الدین صاحب، ٹھاکر صاحب ہیڈ ماسٹر

حسب ذیل تجاویز تمام شرکا نے متفقہ طور پر منظور کیں:

۱۔ اردو کانفرنس کے انعقاد کی کوشش کی جائے۔
۲۔ ایک ادبی ماہنامہ کے اجرا کا امکانات پیدا کئے جائیں۔
۳۔ ممبر سازی کی زیادہ سے زیادہ توسیع کی جائے
۴۔ دفتر کے لئے رسائل اخبارات منگوائے جائیں
۵۔ تمام ہمدردوں سے اپیل کی گئی کہ ان اخراجات کے لئے فنڈ کی فراہمی میں پوری تندہی اور جانفشانی سے کوشش کریں۔

لکھنؤ میں ایک ادبی نشست

لکھنؤ۔ ۲ فروری۔ مشہور پاکستانی نقاد و ناول نگار ڈاکٹر محمد حسن فاروقی اور کمال احمد صدیقی کو دفتر ادب پنج میں ایک استقبالیہ ...یا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک ادبی نشست بھی پروفیسر احتشام حسین ...ی صدارت میں ہوئی۔ مسیح الحسن رضوی نے اپنا افسانہ "شہزادہ ...ی بیٹیاں" اور قیصر تمکین نے اپنی کہانی "ان کہی" سنائی۔ حسن کمال، ...سین، شیر علوی اور کمال احمد صدیقی نے اپنے کلام سے نوازا۔

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے "ادب میں اختصار پسندی اور ...ی علامات و اصطلاحات" کے موضوع پر ایک بحث کا آغاز کیا۔ ...س مباحثے میں ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، علی عباس حسینی، حیات اللہ ...نصاری، احتشام حسین، مظفر سلیم، اختر علی تلہری، احمد جمال پاشا، قیصر تمکین، عثمان غنی اللہ اخراز نقوی نے حصہ لیا۔

(تنویر حسن کمال)

حاجی موسیٰ خاں شروانی اردو میڈل

حیدرآباد۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی نے راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی ویمنس کالج کی ایک ایسی طالبہ کو جس نے اردو زبان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہوں "حاجی موسیٰ خاں شروانی اردو میڈل" دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔ یہ میڈل ہر سال دیا جائیگا اس کے لئے پروفیسر شروانی نے بارہ سو روپیہ کا عطیہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ انھوں نے ایک ہزار روپے ادا کر دئے ہیں جو اردو اکیڈمی برائے تاریخ و سائنس کی جانب سے ان کی کتاب "دستور ہند" پر بطور معاوضہ ان کو دئے گئے تھے۔ (نامہ نگار)

دہلی میں مولانا آزاد مرحوم کی چوتھی برسی

دہلی ۲۲ فروری۔ آج صبح دہلی کے میئر شری شام ناتھ نے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی چوتھی برسی کے موقع پر دہلی کے شہریوں کی طرف سے مرحوم کے مزار پر پھول چڑھائے۔ تقریب کا آغاز قرآن خوانی سے ہوا۔ اس موقع پر اردو کے متعدد ادیب اور اخباروں کے اڈیٹر موجود تھے۔

جمکھنڈی میں یوم آزاد

مولانا آزاد کی یاد میں آزاد لائبریری جمکھنڈی کی جانب سے یوم آزاد منایا گیا۔ ۲۲ فروری کو ریاستی الکشن کے باعث یہ تقریب ۱۷ فروری ہی کو منعقد ہوئی۔ شری جتی چیف منسٹر ریاست میسور نے جلسے کی صدارت کی۔ جنرل سکریٹری آزاد لائبریری کی تقریر کے بعد مرزا نصیر الدین بیگ منل جمکھنڈی نے مولانا آزاد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حکومت میسور سے مطالبہ کیا کہ ریاست میں اردو کے دیرینہ مطالبات پورے کئے جائیں اور کنڑی کے ساتھ ساتھ اردو بھی ریاست کی دوسری سرکاری زبان قرار دی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اردو سے انصاف کرنا ہی مولانا کی سب سے اہم یادگار ہے۔

اس کے بعد ریاستی چیف منسٹر شری بی۔ ڈی۔ جتی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا ملک کی ایک بہت بڑی شخصیت تھے۔ وہ اپنی ذات سے ایک ادارہ اور قوم پرستی کا ایک پہاڑ تھے۔ ملک کی آزادی اور مختلف فرقوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس کے لئے ہندوستانی عوام ہمیشہ ان کے مرہون منت رہیں گے۔ اردو کا ذکر کرتے ہوئے ریاستی چیف منسٹر نے کہا کہ وہ ہندوستانی دستور کی مسلمہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ ریاست میسور میں اردو کے ساتھ پورا انصاف کیا جا رہا ہے اور جہاں بھی مطالبہ ہوا ہے اردو مدرسے کھولے جا رہے ہیں۔ سرکار نے طے کیا ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم مادری زبان ہی میں ہو۔ اور ثانوی مدرسوں میں بھی اگر طلبا کی قابل لحاظ تعداد مادری زبان کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کی خواہشمند ہو تو ان کی خواہش

(بقیہ صلا)

بقیہ: آفتاب صاحب حسینی

بارے میں ایک نظم حکایتہ لکھی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

"جانتے ہیں دکن کے خاص و عام — سید صاحب حسینی رحمتہ اللہ علیہ نام
قصبہ ٹیکمال ہے مسند — پیر و مرشد کا مولد و مشہد
تھے جو ظل ظلیل نور حق — سال مولود ہے۔ ظہور حق ۱۲۱۲ھ
تھی جو حکمت میں انتہا سے مراد — عمر کی ہے۔ حکیم ۔ میں تعداد
ہوا سر سبز جب نہال وصال — یا غفور۔ آپ کا ہے سال وصال" ۱۲۹۰ھ

ان کی فارسی شاعری بہت بلند پایہ ہے۔ کلام پختہ اور تصوف سے پُر ہے جو ان کی ٹھوس قابلیت کا پتہ دیتی ہے۔ اس فارسی شاعری کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اشعار میں بعض مرتبہ "حسینی" بھی تخلص کیا کرتے تھے۔ شاعر آداب کے پوتے عقیل نے بھی اس کا ذکر واقعات تصنیف و حالات مصنف میں کیا ہے۔

"حضرت علیہ الرحمتہ تخلص خود در بعض منظوم آداب و در اکثر حسینی می فرمود۔" (صفحہ ۱)

شاعر حسینی کی تصانیف میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں جن میں "شواہد حسینی" "شاہد الوجود" "نکات شاہد" اور "رقعات" بہت مقبول ہوئے۔ اس کے علاوہ بعض تصانیف کو ایڈٹ (مخطوطہ) بھی کیا ہے جس میں حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور مثنوی "شاہد اذکار" خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں خواجۂ دکن کے ارشادات و مشاہدات منظوم تھے۔ صاحب حسینی نے اس مثنوی کی تفسیر لکھی اور اس فیض کو اپنے حلقۂ ارادت میں عام کیا۔ اس میں تصوف کے رموز و مسائل اور فقہ و عقائد کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اپنے ایک مضمون "میدک کا ایک غیر معروف شاعر، نادک گلشن آبادی" مطبوعہ اخبار سیاست "روزنامہ ۱۵ اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"میدک کے قصبہ ٹیکمال میں دکن کے ایک بڑے صوفی خاندان کی درگاہ اور خانقاہ ہے اور وہاں کے مشائخین حیدرآباد میں معزز سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اس خاندان کے افراد حسینی بادشاہ قاضی منیر الدین منیر، ابو المحسن قیصر اور احمد محی الدین (موجودہ نائب وزیر حکومت ہند) وغیرہ اپنے دور میں بہت مشہور ہوئے اور ہیں۔"

اس اقتباس میں حسینی بادشاہ سے مراد غالباً یہی صاحب حسینی ہیں۔ جنھیں اب بھی عام طور پر مقامی باشندے حسینی بادشاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ اپنے وقت کے کامل بزرگ بھی گذرے ہیں جن کی قدر ان کی زندگی ہی میں ہوئی اور شہرت عام بھی پائی۔ ان کے وفات کی خبر سر سالار جنگ اول مدار المہام ریاست حیدرآباد دکن کو ملی تو صاحب ممدوح نے اخراجات تجہیز و تکفین کے علاوہ ان کے سالانہ عرس کے لئے منجانب سرکار معمول بھی مقرر کر دیا اور جناب سجادہ سید احمد بادشاہ قادری ٹیکمال کے نام ایک تعزیت نامہ روانہ کیا جس میں اس ہستی کو "نادر الوجود شیخ" قرار دیا ہے:

"شیخ نادر الوجودی از ملک دکن در گذشت"

شاعر حسینی کے کلام کا اگر تجزیہ کیا جائے تو دو چیزیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ ایک مدرسہ "حسینیہ" کی درس و تدریس کے لئے صوفیانہ شاعری جس میں رموز و نکات، ارشادات و مشاہدات، خدا اور بندہ کے اسرار کی پُر پیچ گتھیاں سلجھانے اور تفہیم کی غرض سے تفسیر میں ملتی ہیں اور باقاعدہ "درس عمل" ملتا ہے۔ اس میں بزرگان سلف کے حوالے سے خدائی احکام کو اذن عام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے کلام کا بڑا حصہ موجود ہے۔ طریقہ تدریس میں بحث و مباحثے بھی ہوتے تھے اور افہام و تفہیم کے لئے شرح اور تفسیریں بھی بیان کی جاتی تھیں یہ تحریریں ابھی منتشر حالت میں موجود ہیں۔

اجزائے کلام میں دوسرا درجہ "مدرسۂ حسینیہ" کی مالی امداد کے رُخ کو پیش کرتا ہے۔ کیونکہ حکومت وقت سے امداد حاصل کرنے کی غرض سے مختلف اوقات میں مختلف قصیدے فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ جن میں "حسن طلب" کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ ان قصاید کی غرض و غایت کچھ ہی ہو لیکن یہ انشاء و ادب کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کا وزن بڑے شاعروں کے مقابل ہے۔ "مدرسۂ حسینیہ" اب بھی چل رہا ہے اور بانی مدرسہ کے مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے۔

ایجنسی کی کتابیں

یادگار فرحت	مرتبہ غلام یزدانی قیمت مجلد ۴٫۰۰ غیر مجلد	۳٫۰۰
معاشیات	حبیب الرحمٰن	۲٫۰۰
تلگو ادب کی تاریخ	ڈی راما نجاراؤ	۴٫۰۰
جہانگیر (ڈرامہ)	محمد فضل الرحمٰن	۲٫۰۰
گوتم بدھ (منظوم سوانح حیات)	"	۱٫۰۰
سقراط (ڈرامہ)	"	۱٫۲۵
رپورٹ کل ہند اردو کانفرنس		۲٫۰۰
چراغ منزل	شاہد صدیقی	۲٫۰۰
مزیدار کہانیاں	محمد حفیظ الدین	۰٫۳۷
بچوں کے گیت	شیفتہ النساء بیگم	۰٫۳۷
چند بڑے آدمی	مقبول احمد سیوہاروی	۰٫۳۷
ہونہار	شجاع احمد قائد	۰٫۳۷
ابتدائی سماجی انسانیات	ناظمہ شجاعت	۳٫۰۰
شخصیات اور واقعات جنہوں نے مجھے متاثر کیا		۵٫۰۰
مسدس بے نظیر (جان صاحب)	مرتبہ اثر رامپوری	۲٫۵۰
اسباب بغاوت ہند	سید احمد خاں	۲٫۰۰
رگ جاں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۲٫۵۰
آتش گل	جگر مرادآبادی	۲٫۰۰
کشمیر کے بہترین افسانے	ایم حبیب خاں	۲٫۲۵
مکاتیب سرسید	مشتاق حسین	۲٫۵۰
حالی کا سیاسی شعور	جذبی	۴٫۵۰
فروزاں	"	۲٫۲۵
مقدمہ کلام آتش	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۷۵
فکر و ادب	دیویندر اسر	۳٫۵۰
ہندی ساہتیہ برائے ایم اے	شعبہ اُردو	۴٫۰۰
انتخاب نظم و نثر فارسی ایم اے	"	۲٫۰۰
اردو نثر برائے بی اے	"	۲٫۷۵
اردو نظم بی اے	"	۱٫۰۰
ابتدائی اردو نصاب بی اے	"	۲٫۲۵
اردو شاعری بی اے	"	۲٫۲۵
ابتدائی اردو نصاب پری یونیورسٹی	"	۱٫۰۰
اردو نثر	" "	۱٫۵۰
انتخابات نظم	" "	۱٫۲۵
[illegible] گرنتھ	جوش ملسیانی	۱۰٫۰۰

جنون و ہوش	جوش ملسیانی	۴٫۰۰
ہفت رنگ	جوش ملسیانی	۳٫۰۰
تلامذہ غالب	مالک رام	۷٫۵۰
نوید گل	سعادت نظیر	۰٫۶۰
آب و تاب	"	۱٫۵۰
علی گڑھ میگزین مجاز نمبر	شعبۂ اُردو	۳٫۵۰
" سنہ ۵۹ء	"	۳٫۰۰
علی گڑھ تحریک	مرتبہ نسیم قریشی	۱۰٫۰۰
حیدرآباد کے ادیب	زینت ساجدہ غیر مجلد ۴٫۰۰ مجلد	۵٫۰۰
حیدرآباد کے شاعر	خواجہ حمید الدین شاہد " ۴٫۰۰ "	۵٫۰۰
پھول اور کلیاں	سعادت نظیر	۰٫۶۰
انتخاب جدید نثر اُردو	سید احتشام حسین رضوی	۲٫۵۰
قصیدہ عربیہ		۰٫۵۰
تابش سہیل	افتخار اعظمی	۵٫۰۰
موج کوثر	اقبال سہیل	۰٫۵۰
ارمغان حرم	مرتبہ افتخار اعظمی	۵٫۰۰
میری غزلیں	علی جواد زیدی	۲٫۵۰
غزل	مجروح سلطانپوری	۳٫۵۰
مطالعہ غالب	اثر لکھنوی	۱٫۵۰
انیس کی مرثیہ نگاری	"	۲٫۵۰
نوبہاراں	"	۲٫۵۰
اُردو شاعری کی روایات	شارق میرٹھی	۲٫۰۰
مجذوب اور ان کا کلام	محمد رضا انصاری	۱٫۵۰
گلدستۂ محسن	محسن کاکوروی	۰٫۷۵
پیام ساوتری	جگر بریلوی	۲٫۲۵
رس	"	۲٫۰۰
کتاب نورس	ڈاکٹر نذیر احمد	۲٫۵۰
تحقیقی مطالعے	"	۲٫۰۰
کیف سرمدی	ناشاد کانپوری	۲٫۰۰
جلوۂ صد رنگ	حبیب احمد صدیقی	۳٫۰۰
حیات سرمد	ابوالکلام آزاد	۰٫۳۷
فردوسی ہند	صفدر آہ سیتاپوری	۲٫۰۰
نو بہ نو	"	۱٫۰۰
پڑھو اور بڑھو	محمد اسحٰق صدیقی	۰٫۷۵

پتہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

بقیہ خبریں: —

کا بھی احترام کیا جائے گا۔ چیف منسٹر نے اردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ کنڑی، ہندی اور انگریزی میں بھی مہارت حاصل کریں۔ چیف منسٹر نے اپنی تقریر کے بعد اعلان کیا کہ وہ مولانا کی جملہ تصانیف لائبریری کے لئے فراہم کی جاویں گی۔

سکریٹری آزاد لائبریری جگکنڈی

بزم ادب کوٹہ

۳۱ جنوری ۱۹۶۲ء کو بزم ادب کوٹہ کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں نئے سال کے لئے حسب ذیل عہدیداران بزم ادب کا انتخاب عمل میں آیا:

صدر: پرکاش چند چاند مظفر نگری، نائب صدر: جناب کوثوی، جنرل سکریٹری: جناب بی اے توفیق کوٹوی، پروپیگنڈا سکریٹری: جناب لطیف کوٹوی، خزانچی: جناب قیوم کوٹوی

ان عہدیداران کے ساتھ چار اشخاص پر مشتمل ایک انتظامیہ کمیٹی بھی تشکیل کی گئی جس میں جناب لطیف کوٹوی، جناب عمر کوٹوی، جناب شاد کوٹوی اور جناب لطفی کوٹوی انتخاب میں آئے۔

جنرل سکریٹری بزم ادب کوٹہ

لندن میں تلک میموریل

ایک اطلاع کے مطابق لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے لندن میں تلک ہاؤس کی رسم افتتاح ادا کیا۔ یہ عمارت ٹیلیباٹ روڈ پر واقع ہے۔ جہاں لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک نے ۱۰-۱۹۰۹ء میں قیام کیا تھا۔ اس وقت یہ عمارت پانچ فلیٹوں پر مشتمل ہے۔ بعد میں اس عمارت میں توسیع کی جاوے گی اور فلیٹوں کی تعداد آٹھ کر دی جائے گی۔ ان کو ہندوستانی طلبا استعمال کریں گے۔

میموریل کی اسکیم کے مطابق اس عمارت میں ایک کلچرل مرکز اور ایک لائبریری قائم کی جائے گی۔ بعد میں تلک کے نام پر ہندوستانی کلچر اور فلسفہ سے متعلق وظائف کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے گا۔

اردو ادب کی تاریخ میں ایک قابل قدر اضافہ

گل کرسٹ اور اس کا عہد

مؤلفہ محمد عتیق صدیقی

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ صفحات ۲۱۲ تصاویر ۲۲

پروفیسر محمد مجیب (رسالہ جامعہ)

محمد عتیق صاحب نے اس کتاب میں جو مواد جمع کیا ہے وہ ادیب اور مورخ دونوں کے لئے یکساں کارآمد ہوگا، اور گل کرسٹ کے منصوبوں، اس کی کارگزاری، اور اس کی ناکامیوں کو جس طرح انھوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب میں ناول کا لطف پیدا کر دیتا ہے۔

نیاز فتحپوری (نگار)

"زبان اردو کی تاریخ میں اس عہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کا آغاز گل کرسٹ سے ہوتا ہے۔ اس کی خدمات کا اجمالی اور ناقص علم تو خیر ہم میں سے ہر شخص کو حاصل ہے، لیکن اس کی تفصیل اس وقت تک گمشدہ اوراق کی حیثیت رکھتی تھی۔ جناب محمد عتیق صدیقی نے اب انھیں اوراق کو اس کتاب میں پیش کیا ہے اور اس قدر تحقیق کے بعد ہم بلاشبہ اسے تاریخ اردو کا اہم ترین جزو قرار دے سکتے ہیں۔"

ضیا احمد بدایونی

تبصرہ

یادگار وِلا

مرتبہ برق موسوی

قیمت۔ ہندوستان میں ۲ روپے، ایران میں ۴۰ ریال

ملنے کا پتہ: مکتبہ سعدی۔ ۱۲۲ نیو ملز نگ اعظم آباد۔ حیدرآباد ۲۰ (دکن)

ریاست حیدرآباد مرحوم نے علوم و فنون کی جو شاندار سرپرستی کی وہ ہر مہذب حکومت کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے سررشتۂ تالیف و ترجمہ، عثمانیہ یونیورسٹی، اور دائرۃ المعارف کی افادیت سے شاید کوئی متعصب سے متعصب بھی انکار نہ کر سکے۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کے فرماں روا اور امرا تقریباً سب علم دوست اور معارف پرور تھے۔ حیدرآباد کے اہل مناصب بھی اپنے طور پر علمی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ہم مولوی وحید الزماں مرحوم کا نام لے سکتے ہیں جن کی بہت سی علمی یادگاروں میں صحاح ستہ کے تراجم اور لغات حدیث کی اٹھائیس ضخیم جلدیں شامل ہیں۔ ایسے ہی اصحاب علم میں شمس العلماء عزیز جنگ وِلا کا شمار ہے جن کے حالات پر زیر نظر کتاب (یادگار وِلا) مشتمل ہے۔ وِلا خدمت علم کی سچی دھن رکھتے تھے۔ ان کی عربی و فارسی پر گہری نظر تھی اور فارسی نثر و نظم پر ان کو کامل قدرت تھی۔ انھوں نے متعدد مفید اور اہم تصانیف چھوڑیں جو ادب، تاریخ، سیاق فلاحت، پرورش حیوانات کے موضوعات پر محتوی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ فارسی کا لغت (آصف اللغات) ہے جس کو درحقیقت لغت کی انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے۔ اس میں ہر لفظ کی فارسی میں تشریح، ارباب لغت کی رائیں ان پر محاکمہ، ماخذ، سند اور آخر میں لفظ کا اردو میں ترجمہ اور سند دی گئی ہے۔ مولف مرحوم کا ارادہ اس لغت کو اٹھائیس مجلدات میں مرتب کرنے کا تھا مگر صرف جیم تک سترہ جلدیں شائع ہو پائی تھیں کہ پیام اجل آ گیا۔ یہ سب جلدیں انھوں نے مسلم یونیورسٹی کو وقف کر دی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ایسے علم دوست شخص کے حالات کو محفوظ کر لیا جاتا۔ چناں چہ یہی خیال اس کتاب (یادگار وِلا) کے لکھنے کا محرک ہوا۔ فارسی کی اس کساد بازاری کے دور میں حیدرآباد میں ایک فارسی کی انجمن بزم سعدی کے نام سے قایم ہے۔ اسی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

انشاء اللہ خاں

مصنف۔ اسلم پرویز

ناشر مکتبہ شاہراہ۔ اردو بازار دہلی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت چار روپے

صفحات ۲۹۶ کاغذ اچھا

پروفیسر بدھو (طنزیہ ناول)

مصنف۔ فکر تونسوی

ناشر۔ مکتبہ شاہراہ۔ اردو بازار دہلی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۳.۷۵

صفحات ۲۴۰۔ کاغذ اچھا

اسلامی نظمیں

مصنف۔ نیر محمد شفیع الدین

ناشر۔ نیر کتاب گھر۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۷۵ نئے پیسے

صفحات ۶۴۔ کاغذ اچھا

تنقید و تجزیہ

مصنف۔ سحر ابو محمد

ناشر۔ کتابستان۔ الٰہ آباد

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۷

قیمت ۳ روپے۔ کاغذ اچھا

ارمغان نعت

مرتبین۔ ساجد صدیقی و والی آسی

ناشر۔ مکتبہ دین و ادب۔ لکھنؤ

سائز ۲۰×۳۰/۱۶۔ صفحات ۲۷۲

قیمت ۳ روپے۔ کاغذ اچھا

فارم IV

(دیکھو رول ۸)

اخبار ہماری زبان علی گڑھ

۱۔ مقام اشاعت	سلطان جہاں منزل، علی گڑھ
۲۔ نوعیت اشاعت	ہفتہ وار
۳۔ نام پرنٹر	ضمیر الدین قریشی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	مسلم ایجوکیشنل پریس محلہ بنی اسرائیلان علی گڑھ
۴۔ نام پبلشر	نذیر حسن
قومیت	ہندوستانی
پتہ	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ
۵۔ نام ایڈیٹر	پروفیسر آل احمد سرور
قومیت	ہندوستانی
پتہ	شبلی روڈ علی گڑھ
۶۔ نام پتہ مالک اخبار	انجمن ترقی اردو ہند سلطان جہاں منزل علی گڑھ

میں نذیر حسن تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۶۲ء نذیر حسن

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا